انسانی حقوق

فقہ اسلامی کی روشنی میں

مؤلف:

مفتی عبید الرحمن صاحب، مردان

ناشر: مکتبہ دار التقوی، مردان

فہرست مضامین

عرضِ مؤلف: 7
دین کا بنیادی مقدمہ: 7
سیکولر فکر کا بنیادی مقدمہ: 8
بنیادی اختلافی نکات: 9
ماضی و حال کا فرق: 9
بعض اسلام پسند طبقات کا مصالحانہ رویہ: 10
مقدمہ طبع دوم 12
انسانی حقوق کا عالمی منشور 12
دین بے زاری کی ایک بنیاد 12
موضوع کی اہمیت: 12
تحریر کی ترتیب: 13
"حقوق انسانی" کے عالمی منشور کا متن: 15
تجزیہ: 15
تمہید: 16
تجزیہ: 16
منشور کی عبارت: 17
تجزیہ: 18
دفعہ ۱: 19
دفعہ ۲: 20
تجزیہ: 20
دفعہ ۳: 21

تجزیہ: 21
دفعہ۴: 21
تجزیہ: 22
دفعہ۵: 22
تجزیہ: 22
دفعہ۶: 22
تجزیہ: 23
دفعہ۷ : 23
تجزیہ: 23
دفعہ۸: 23
تجزیہ: 23
دفعہ۹: 24
تجزیہ: 24
دفعہ۱۰: 24
تجزیہ: 24
دفعہ۱۱: 25
تجزیہ: 25
دفعہ۱۲: 26
تجزیہ: 26
دفعہ۱۳: 26
تجزیہ: 27
دفعہ۱۴: 27

تجزیہ: 27
دفعہ ۱۵: 28
تجزیہ: 28
دفعہ ۱۶: 29
تجزیہ: 30
دفعہ ۱۷: 32
تجزیہ: 32
دفعہ ۱۸: 32
تجزیہ: 32
دفعہ ۱۹: 34
تجزیہ: 34
دفعہ ۲۰: 34
تجزیہ: 35
دفعہ ۲۱: 35
تجزیہ: 35
دفعہ ۲۲: 35
تجزیہ: 36
دفعہ ۲۳ 36
تجزیہ: 36
دفعہ ۲۴: 37
تجزیہ: 37
دفعہ ۲۵: 37

تجزیہ: 37
دفعہ ۲۶ 38
تجزیہ: 38
دفعہ ۲۷: 40
تجزیہ: 40
دفعہ ۲۸ 40
تجزیہ: 40
دفعہ ۲۹: 41
تجزیہ: 41
دفعہ ۳۰: 41
تجزیہ: 42
مسلم ممالک کے متعین کردہ انسانی حقوق 44
اسلام میں انسان کے حقوق کا راستہ 44
۱۔بنیادی حقوق: 45
پہلا آرٹیکل: 45
دوسرا آرٹیکل: 45
تیسرا آرٹیکل: 45
چوتھا آرٹیکل: 46
۲۔سیاسی حقوق: 46
پانچواں آرٹیکل: 46
چھٹا آرٹیکل: 46
حقوق الاسرۃ: 46

ساتواں آرٹیکل: 46
آٹھواں آرٹیکل: 47
نواں آرٹیکل: 47
گیارہواں آرٹیکل: 47
۵: تعلیم و تربیت کے حقوق: 48
بارہواں آرٹیکل: 48
تیرہواں آرٹیکل: 48
چودہواں آرٹیکل: 48
پندرہواں آرٹیکل: 49
سترہواں آرٹیکل: 49
۸۔ فیصلہ کرانے کے حقوق: 49
اٹھارہواں آرٹیکل: 49
انیسواں آرٹیکل: 49
بیسواں آرٹیکل: 49

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

الحمد لله والصّلاة والسّلام على رسول الله

عرضِ مؤلف:

اس کرہ ارض میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ وہ کیوں اور کس مقصد کی خاطر پیدا ہوتا ہے؟ اس لمبے چوڑے زمین کے سیاہ وسفید کا کیونکر اس کو مالک ومختار بنایا گیا؟ اس وسیع کائنات میں جس قدر مخلوقات ہمیں نظر آتی ہیں، ان تمام کی بنسبت حضرت انسان کچھ امتیازی صلاحیت وصفات کے ساتھ متصف ہے، یہ امتیاز وانتخاب کیوں اور کہاں سے آیا؟ معاصر انسانی فکر کے لئے یہ اہم، بنیادی اور سنجیدہ سوالات ہیں اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے انسانیت کے حقوق کی مختلف نہریں پھوٹتی ہیں، یہی وہ موڑ ہے جہاں مختلف افکار کے سیر وسفر کا رخ جدا جدا ہو جاتا ہے۔

دین کا بنیادی مقدمہ:

دینِ اسلام بلکہ کسی بھی الہامی دین ومذہب کا بنیادی مقدمہ یہی ہوتا ہے کہ انسان اس جہاں میں خود بخود پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی بے فائدہ وبے مقصد اس کی تخلیق ہوتی ہے بلکہ ایک عظیم ہستی ایک عظیم مقصد کے لئے اس کی تخلیق فرماتی ہے اور وہ مقصد یہی ہے کہ دنیا میں اس کی بندگی کی جائے، اس کے احکام وہدایات کو بے چوں وچرا تسلیم کر لیا جائے، اپنی صلاحیتوں کو اسی کے کہنے کے مطابق استعمال کر لیا جائے۔ پیدا کرنے والی ہستی کے ہدایات وتعلیمات جاننے کے لئے مختلف انبیاء کرام (علیہم الصلاۃ والسلام) کی بعثت کی جاتی ہے اور ان کو خالق انسانیت کی پسندیدہ وناپسندیدہ باتوں کا مجموعہ دیا جاتا ہے جس کو دین ومذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس لئے:

الف: اس کرہ ارض پر انسان کی حیثیت خدا کے بندہ کی ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہاں خدا کا بندہ بن کر رہے اور خدا کی دی ہوئی نعمتیں، اس کی بخشش کی ہوئی صلاحیتیں اسی کے مرضی وقانون کے مطابق گزار لے۔ قرآن کریم نے اس کو بڑے ہی جامع انداز میں تعبیر فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

} وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ { [الذاريات: ٥٦]

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان کو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لیے۔

ب: یہاں انسان کا آنا اور رہنا اصل مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بھی ایک جہاں ہے، انسانیت کے لئے وہی منزل مقصود ہے جہاں چار و ناچار سب نے جانا اور خدا کے سامنے جواب دہی کے لئے پیش ہونا ہے، دنیوی زندگی کا بنیادی مقصد اسی جہان کی کامیابی کے لئے تیار کرنا ہے۔

ج: دنیوی ساز و سامان جمع کرنا اور استعمال کرنا گو ایک حد تک انسان کی ضرورت ہے لیکن مادی ترقی اس کی زندگی کا مقصود ہے نہ ہی اس پر انسانیت کی اچھائی برائی یا اصل مقصود میں کامیابی و ناکامی کا مدار ہے۔ فرمان خداندی ہے:

} كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ { [آل عمران: ١٨٥]

ترجمہ: ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور تمہیں قیامت کے دن پورے پورے بدلے ملیں گے پھر جو کوئی دوزخ سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کی پونجی کے اور کچھ نہیں۔

دوسری جگہ قرآن کریم اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ انسانیت کی پیدائش بے نتیجہ اور بے کار نہیں ہے، فرماتے ہیں؛

} أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ { } فَتَعَالَى اللهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ { [المؤمنون: ١١٦]

ترجمہ: سو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں نکما پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے۔

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (٧) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (٨)

ترجمہ: پھر جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔

سیکولر فکر کا بنیادی مقدمہ:

معاصر لادین ذہن و دماغ کا بنیادی مقدمہ یہی ہے کہ انسان کسی نادیدہ ہستی کا پیدا کردہ ہے نہ ہی اس کی تعلیمات و ہدایات کا اس کو پابند بنایا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس کا مقصد کسی کی غلامی و بندگی کرنا

نہیں ہے بلکہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا اور خواہش کے مطابق اقدام کرنا اس کی سعادت ہے، وہ آزاد پیدا ہوتا ہے اور اسی آزادی کے ماحول میں زندگی گزارنا اس کا حق ہے، انسانیت کا کوئی گروہ اگر اپنی صوابدید اور مادی مصلحت کی خاطر کوئی ضابطہ کار بناتے ہیں تو اس کا ان کو اختیار بھی ہے اور ان کو اس کا پابند بھی بنایا جاسکتا ہے لیکن اس دنیا کے علاوہ کسی جہاں کی مصلحت کے لئے اس پر یا اس کی خواہشات پر کوئی قدغن عائد کرنا اس کی بے حرمتی اور حق تلفی ہے۔

بنیادی اختلافی نکات:

یہی وہ اساسی اختلافی نکتہ ہے جو مذہبی فکر اور لامذہبی فکر کے درمیان پائی جاتی ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے دونوں فکروں کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے، بنیاد کے اس اختلاف کی وجہ سے دونوں کا قبلہ سفر ہی مختلف ہو جاتا ہے، اگر ایک مشرق کی طرف محو سفر ہے تو دوسرا مغرب کی جانب گامزن ہو جاتا ہے، چنانچہ اس کے نتیجے میں درج ذیل مسائل میں دونوں فکروں کا موقف بالکل مختلف ہو جاتا ہے:

۱: انسان کی کامیابی و سعادت اور ناکامی و شقاوت کا معیار و مدار کیا چیز ہے؟

۲: انسانی معاشرے کے لئے کسی چیز کے اچھا یا بُرا ہونے کا معیار کیا ہے؟

۳: انسان کے حقوق و ذمہ داریاں کیا کیا ہیں اور ان کا تعین کون کرے گا؟

۴: انسان اگر ان حقوق و ذمہ داریوں کے مطابق زندگی گزارنے کا پابند ہے تو کیوں؟ اور پابندی نہ کرنے کی صورت میں اس پر کیا فردِ جرم عائد ہو گا؟

یہ اور ان جیسے بنیادی مسائل میں دینی اور لادینیت (سیکولر) فکر کے اختلاف کا بنیادی نکتہ یہی ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں حقوق انسانی کے جس عالمی منشور کا چرچا کیا جارہا ہے، وہ دراصل اسی سیکولر فکر کا ایک شاخسانہ ہے اور اس مختصر سے کتابچے میں اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔

ماضی و حال کا فرق:

یوں تو اس موضوع پر علمی و نظریاتی دنیا میں بہت کچھ کام کیا گیا ہے، مسلمان اہل علم اور ارباب فکر و دانش نے مختلف پہلوؤں سے اس موضوع پر بڑا قابل قدر کام کیا ہے۔ تاہم یہ دور دجل و تلبیس کا دور ہے، تمام برائیاں اور خراب خصلتیں کچھ آج ہی کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ اکثر چیزیں کل ماضی میں بھی

کسی نہ کسی حد تک رائج رہی ہیں لیکن ماضی اور حال کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ کل معاشرتی و سماجی طور پر بری چیزیں برے ہی ناموں سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں جبکہ آج کی صورت حال اس کی برعکس ہے، آج خوشنما نعرے، دلکش ناموں اور جاذب نظر اصطلاحات کی بھرمار نظر آتی ہیں ، چنانچہ بہت سے برائیاں ان جیسے معصوم اصطلاحات کے سایے تلے دبی ہوتی ہیں جن کی تردید کرنا اور لوگوں کو اس کی برائی سمجھانا ہی مشکل ہو گیا ہے اور بہت سی سچائیاں اور خوبیاں ایسی ہیں جن کو قابل نفرت نعروں اور باعث تنفر اصطلاحات کے نیچے دھکیل دیا گیا ہے جس کی وجہ سے آج کے انسانوں کو اس کی سچائی اور افادیت باور کرانا ہی ایک مشکل قضیہ بن چکا ہے۔

اس لئے اگر کوئی شخص اس جیسے کسی مسئلہ کو درست طور پر سمجھنا چاہتا ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ الفاظ و اصطلاحات پر کچھ زیادہ اعتماد نہ کرے بلکہ کسی بھی مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے اور اس کی نظریاتی و عملی بنیاد و میدان کا اچھی طرح جائزہ لے کر کچھ نتیجہ اخذ کرے۔

جن "عالمی انسانی حقوق" کا ڈھنڈورا آج کل دنیا کے کونے کونے میں پیٹا جارہا ہے اور جن سے متعلق اس تحریر میں کچھ گفتگو کرنا مقصود ہے، اس کی صورت حال بھی یہی ہے کہ غلط تصورات اور خطرناک نظریات کو بہت ہی سادے اور معصوم اصطلاحات کے اندر سمیٹ کر لوگوں کے دل ودماغ میں گاڑا اور گوندھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آزادی، حریت، مساوات اور انسانیت کا حترام وغیرہ ہیں کہ ان الفاظ کی مقصودیت سے کون انصاف پسند انکار کر سکتا ہے لیکن اس کے جو کچھ حدود اربعہ طے کئے گئے ہیں، ان میں سے بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ جس کے ساتھ کسی عقل مند کا اتفاق کرنا ہی مشکل ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بہت سے دینی جذبہ رکھنے والے مسلمان اہلِ قلم کے قلم وزبان یہاں آکر پھسل گئے اور انہوں نے ان اصطلاحات کو یا تو عام لغوی متبادر معنٰی میں لیا یا اسلامی مفہوم میں لے کر اس کو صرف درست ہی نہیں بلکہ ایک مثال و نمونے کے طور پر تسلیم کیا اور پھر اس کے لئے قرآن وسنت کے دلائل کا سہارا لینا شروع کیا۔

بعض اسلام پسند طبقات کا مصالحانہ رویہ:

موضوع کے متعلق بعض مسلمانوں یا اسلام پسند طبقات کے قلم پھسلنے کی وجہ "ذہنی مرعوبیت" ہے، ٹیکنالوجی کی دنیا میں مغرب کی چکاچوند ترقی اور زرق برق پیش قدمی کی وجہ سے بہت سے لوگ ذہنی طور پر مغرب سے مرعوب ہیں، غلام قوم اور مرعوب لوگوں کی نفسیات کی طرح یہ بھی

سمجھتے ہیں کہ مغرب کی ہر چیز ترقی ورفعت کا معیار ومدار ہے اس لئے وہ تہذیب، تمدن، عادات واطوار، نظام وانتظام اور فکر وفلسفہ غرض ہر چیز کے ساتھ مصالحانہ رویہ برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ،اگر کہیں اپنے تہذیب ومذہب کی تعلیمات کا مغربی تعلیمات سے تصادم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو وہاں بھی یہ اپنی روایات وتعلیمات کو مغربی فکر کے مطابق کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔وہ اس بات کی عام طور پر صراحت تو نہیں کرتے لیکن ان کا اندازِ فکر وعمل سے یہی کچھ مترشح ہوتا ہے کہ مغرب کامیابی، عزت اور ترقی کا معیاری سانچہ ہے اور کوئی قوم وملت تبھی کامیاب وکامرانی کا چہرہ دیکھ سکتی ہے جب کہ اس سانچے میں اپنی ہر چیز کو ڈھال لے۔

بہر حال یہاں ان تمام پہلوؤں سے گفتگو کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ حقوق انسانی کے اس چارٹر کا صرف فقہی نقطہ نظر سے مختصر جائزہ لینا مقصود ہے۔اللہ تعالیٰ انسانیت اور خاص کر مسلمانوں کی حال پر رحم فرمائیں اور حق وسچ کا بول بالا فرمائیں۔

بندہ عبید الرحمان، مردان

۲۱ ربیع الثانی ۴۴ھ

مقدمہ طبع دوم

انسانی حقوق کا عالمی منشور

دین بے زاری کی ایک بنیاد

اس وقت پوری انسانی دنیا میں لوٹ کھسوٹ، قتل وغارت گری، ظلم وسرکشی، جھوٹ وفریب اور نفاق وخیانت وغیرہ علمی، عملی، سماجی اور اخلاقی وغیرہ خرابیوں کے بازار خوب گرم ہیں جس سے دیگر نقصانات ومصائب کے ساتھ ساتھ یہ ایک نہایت عجیب اور ناپسندیدہ نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ خود انسانیت مختلف پریشانیوں اور مشکلات کے دلدل میں پھنس کر غرق ہونے لگی اور انسانیت کا ایک جہاں خود اپنی زندگی سے اکتانے لگی۔ ارباب فکر ودانش اس کے مختلف اسباب بتاتے ہیں اور ایک چیز کے مختلف اسباب ہونے میں بذات خود کوئی بعد بھی نہیں ہے تاہم ہمارے نزدیک اس چیز کا اصل اور بنیادی سبب اگر کچھ ہے تو یہی "بے دینی، دین بے زاری اور آسمانی ہدایات وتعلیمات سے اعراض کرنا" ہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر ان نتائج کی عمارت کھڑی ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ یہ جہاں اسباب کا ایسا عجب جہاں ہے جہاں خود اسباب بھی بے سبب نہیں ہوتے بلکہ اس کے پیچھے اسباب کی قوت ہوتی ہے، اس لئے بے دینی اور دین بے زاری کا یہ اجتماعی رویہ بھی بے سبب نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بھی اسباب کا ایک سماں ہے جو اس کو دھکیلتا اور مسلسل آگے کی طرف پھیلا کر لے جانے میں مصروف عمل ہیں۔ ان ہی اسباب میں سے ایک اہم سبب "انسانی حقوق کا عالمی منشور" بھی ہے جو دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی سے پاس ہوا۔ یہ تیس دفعات پر مشتمل آئینی وقانونی انداز وتعبیرات کا ایک متن ہے جس کو عالمی قانون کا درجہ دیا جاتا ہے اور جو تقریباً دنیا جہاں کے بیشتر ممالک کے ہاں تسلیم شدہ بنیادی حق وحقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

موضوع کی اہمیت:

امتِ مرحومہ کے اہلِ علم اور ارباب قلم وبیان کی طرف سے اس منشور کے متعلق مختلف علمی وتاریخی کام ہوئے ہیں لیکن جس چیز پر خون کے آنسو رونے کو جی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اکثریت اس منشور سے مرعوب نظر آتے ہیں اور اس کے جو دفعات دین اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں، ان کے متعلق یا تو معذرت کا رویہ اپنا کر تاویل کی راہ اختیار کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی

طرح اسلامی تعلیمات کو اس کے مطابق دکھایا جائے یا وہ صرف ظاہری خوشنما الفاظ کو دیکھ کر قرآن وسنت کے پاک ذخیرے سے اس کی تائید وتصدیق کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں حالانکہ صرف الفاظ و تعبیرات میں مطابقت تلاش کرنے سے پہلے اس بات پر غور کرنا ضروری تھا کہ کیا یہ الفاظ واقعی اپنے لغوی معانی میں استعمال ہوئے ہیں یا یہ اس دستور ساز اسمبلی کے خاص اصطلاحات میں سے ہیں جس کو وہ مخصوص مفہوم اور دائرہ کار میں استعمال کرتی ہے۔

دجل وفریب کی مجسم صورت کا یہی مقدمہ ہوتا ہے کہ معصوم سے معصوم تر الفاظ وعبارات کے پردے میں ایسی باتوں کو منوایا جاتا ہے جس کو اصل اور حقیقی شکل وصورت میں انسانیت کبھی گوارا نہیں کرتی اور پھر ان خوشنما الفاظ کا جامہ پہنا کر صرف تسلیم ہی نہیں کروایا جاتا بلکہ اس کو ایک ایسے عالمی صحیفہ مقدسہ کا درجہ دیا جاتا ہے جس میں انسانیت کا کوئی اختلاف ممکن نہ ہو اور جس کی خلاف ورزی کرنا خود انسانیت کے خلاف متفقہ جرم وبغاوت شمار ہوتا ہو۔

اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اختصار وایجاز کا دامن تھامے رکھتے ہوئے اس منشور کا شرعی جائزہ لیا جائے اور اسی غرض کی تکمیل کے طور پر یہ چند صفحات سیاہ کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کو قبولیت سے نوازیں اور جن نیک جذبات واہداف کے حاصل کرنے کے لئے یہ محنت جارہی ہے، ان کی تکمیل ہو جائے۔

تحریر کی ترتیب:

اس تحریر کی ترتیب یہ ہے کہ اوّلاً اس منشور کی عبارت ذکر کی جائے گی اور پھر "تجزیہ" کے عنوان کے تحت اسلامی نقطہ نظر سے اس کا تجزیہ کیا جائے گا۔ اس منشور کے کسی دفعہ کے حوالہ سے اسلام کا موقف کیا ہے؟ اس بات کی دلیل صراحت کے ساتھ یا اشارہ میں ذکر کی جائے گی۔ لیکن کسی شرعی موقف کی حکمت کیا ہے اور اس میں کیا کچھ فوائد وثمرات پنہاں ہیں؟ اس کی طرف تعرض کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ بعض مصالح کی وجہ سے اس کو چھوڑنا ہی مناسب معلوم ہوا کیونکہ مسلمان ہونے کے ناطے ہم قرآن وسنت پر غیر مشروط طور پر ایمان واعتقاد رکھنے کے مکلف ہیں۔

اس میں کسی معذرت خواہی، مرعوبیت کی کوئی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ یہ رویہ تو وہاں اپنانے کی ضرورت پیش آتی ہے جہاں کسی اقدام کے غرض یا اس کو حاصل کرنے کے لئے جو طریقہ کار

اختیار کیا جائے،اس میں کوئی غلطی و کوتاہی کی گئی ہے جبکہ یہ دونوں باتیں اس "عالمی منشور" کے گلے کا ہار ہے کہ چند ممالک نے اپنی غیر معصوم خواہشات واغراض کی تکمیل کے لئے یہ منشور بنایا ہیں اور اس کو بنیادی انسانی حقوق کا دلکش وپُر فریب عنوان سے پوری دنیا میں متعارف کروایا۔ جہاں تک دینِ اسلام کا نقطہ نظر ہے تو اس کا مصدر ہی وحی ہے جہاں نہ اس قسم کی علمی غلطی کا امکان ہے اور نہ عملی طور پر کہیں اس کی نوبت آسکتی ہے،اس لئے ہمیں کسی معذرت خواہی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کتاب کے آخر انسانی حقوق کا وہ منشور بھی ذکر کیا گیا ہے جو آج سے تقریباً چالیس سال پہلے دمشق میں متعدد علماء وفضلاء نے تشکیل دیا تھا،اس میں کوشش کی گئی تھی کہ اسلامی نقطہ نظر سے بنیادی انسانی حقوق کا تعین کرلیا جائے اور دین بے زاری پر مبنی عالمی منشور کے مقابلے میں اس کو میدان میں لایا جائے۔

"حقوق انسانی" کے عالمی منشور کا متن:

"تمام بنی نوع انسان مساوی اور ناقابل تغیر حقوق اور بنیادی آزادیاں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔اقوام متحدہ ہر فرد کے انسانی حقوق کے تحفظ و ترقی کا پرچم بلند کر رکھنے کا تہیہ کئے ہوتے ہے۔ یہ ذمہ داری اور وابستگی اقوام متحدہ کے منشور سے ماخوذ ہے جس میں انسان کی حرمت و وقار اور بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں دنیا کے عوام کے یقین کی توثیق کی گئی۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو "انسانی حقوق کا عالمی منشور" منظور کر کے اس کا اعلان عام کیا۔"

تجزیہ:

"تمام بنی نوع انسان مساوی اور ناقابل تغیر حقوق اور بنیادی آزادیاں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔"

اس میں یہ تینوں الفاظ قابل اشکال ہیں:

الف: "مساوی" تمام حقوق میں مساوات نہیں ہے چنانچہ گواہی، دیت، طلاق کے اختیار اور امامت وغیرہ دسیوں مسائل میں مرد اور عورت کے درمیان فرق ہے جو متعدد نصوص سے ثابت ہے۔

ب: "ناقابل تغیر حقوق" جن چیزوں کو اس منشور میں حق قرار دیا گیا ہے، اس کا حق شرعی ہونا کوئی ضروری نہیں ہے کہ خود یہ منشور کسی چیز کے حق ہونے کا مصدر نہیں ہے کہ محض اس کی بنیاد پر کسی چیز کو حق قرار دیا جاسکے بلکہ دین اسلام میں کوئی چیز تبھی کسی کا حق قرار دی جاسکتی ہے جبکہ شرعی دلائل سے اس کا حق ہونا ثابت ہو جائے کیونکہ شرعی نقطہ نظر سے تمام حقوق واحکام کا مصدر شرعی دلائل اربعہ ہی ہیں۔ پھر ان میں جو حقوق واقعی شرعی دلائل سے ثابت ہیں، اس کو بہر حال ناقابل تغیر قرار دینا بھی غلط ہے چنانچہ بعض چیزوں کی وجہ سے بعض حقوق میں تغیر آسکتا ہے، مثال کے طور پر کفر وارتداد ہے جس کی وجہ سے دسیوں مسائل میں تبدیلی آجاتی ہے، ایک شخص اصلاً آزاد پیدا ہوتا ہے لیکن وہ جب مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں شریک ہو کر پکڑا جاتا ہے تو اب اس کی آزادی کا حق برقرار رکھنا ضروری نہ رہا بلکہ خلیفہ وحاکم وقت کو اختیار ہے کہ مسلمانوں کی مصلحت کو سامنے رکھ کر اگر چاہے تو غلام بنا سکتا ہے۔ اسی کفر وارتداد کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے شہادت، ولایت، حکومت وامامت وغیرہ دسیوں مسائل میں تغیر آجاتا ہے جو نصوص سے ثابت ہے۔

ج:"بنیادی آزادیاں" یہ تیسرا لفظ ہے جو قابل غور ہے۔یہ لفظ مبہم بلکہ مجمل ہے جس کی یہاں کوئی تشریح نہیں کی گئی ہے،البتہ اس منشور کے بعض دفعات میں آزادیوں کی بعض قسمیں اور تفصیلات ذکر کی جائیں گی،بظاہر یہاں بھی اس لفظ سے انہی آزادیوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، اگر ایسا ہے تو یہ لفظ بھی شرعاً قابل اشکال ہے کیونکہ آئندہ دفعات میں جن آزادیوں کا ذکر کیا جارہا ہے ،ان میں سے اکثر باتیں شرعی نصوص وتعلیمات سے واضح طور پر متصادم ہیں۔

تمہید:

"چونکہ ہر انسان کی ذاتی عزت اور حرمت اور انسانوں کے مساوی اور نا قابل انتقال حقوق کو تسلیم کرنا دنیا میں آزادی،انصاف اور امن کی بنیاد ہے۔

چونکہ انسانی حقوق سے لاپروائی اور ان کی بے حرمتی اکثر ایسے وحشیانہ افعال کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے جن سے انسانیت کے ضمیر کو سخت صدمے پہنچے ہیں اور عام انسانوں کی بلند ترین آرزو یہ رہی ہے کہ ایسی دنیا وجود میں آئے جس میں تمام انسانوں کو اپنی بات کہنے اور اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہو اور خوف اور احتیاج سے محفوظ رہیں۔

چونکہ یہ بہت ضروری ہے کہ انسانی حقوق کو قانون کی عمل داری کے ذریعے محفوظ رکھا جائے، اگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ انسان عاجز آکر جبر اور استبداد کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہوں۔

چونکہ یہ ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو بڑھایا جائے۔"

تجزیہ:

"چونکہ ہر انسان کی ذاتی عزت۔۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی کی ذاتی عزت وحرمت اور انسانیت کے مساوی اور نا قابل انتقال حقوق تسلیم کرنا ہی دنیا میں آزادی،انصاف اور امن کی بنیاد ہے، یہاں حصر کا لفظ اگرچہ اردو ترجمے میں ذکر نہیں ہے لیکن سیاق وسباق سے یہی دعویٰ معلوم ہوتا ہے جس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ ان باتوں کو چونکہ منشور کی علت واساس کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے اور وہ حصر کی صورت میں ہی متصور ہو سکتا ہے، نیز اس کے بعد کا جملہ "چونکہ انسانی حقوق سے لاپروائی" بھی اس کا صریح مؤید ہے،اس لئے یہاں حصر کا معنیٰ ہی سمجھا جائے گا۔اور حصر کی صورت میں اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کے تسلیم نہ کرنے سے دنیا میں غلامی، ظلم اور فساد سے رواج ملتا ہے اور ان دونوں چیزوں کو تسلیم نہ کرنا

ہی زمین پر ان خرابیوں کے رواج پانے کی بنیاد ہیں۔اور یہی مفہوم آئندہ فقرے سے مستفاد بھی ہوتی ہے چنانچہ بعد والے فقرہ میں "انسانی حقوق" سے یہی منشور میں ذکر کردہ حقوق ہی مراد ہے۔اب منشور میں ذکر کردہ انسانی حقوق مجموعی طور پر چونکہ دین اسلام بلکہ مطلق دین سے متصادم ہیں اور مذہب اس کو تسلیم نہیں کرتا،اس لئے اس کا صاف نتیجہ یہی ہے کہ مذہب کی تعلیمات وہدایات ہی دنیامیں ظلم وفساد کی بنیاد ہے۔یہ دینِ اسلام بلکہ مطلقاً مذہب سے بغاوت اوراس کی سنگین توہین ہے۔

"وحشیانہ افعال کی شکل میں ظاہر ہوئی":

یہ لفظ بھی مبہم ہے جس میں اس بات کی وضاحت مذکور نہیں ہے کہ یہاں وحشیانہ افعال سے کیا مراد ہے؟وحشیانہ افعال کا لفظ گو قابل نفرت ہے لیکن اس کا مصداق ومعیار متعین کرنا بھی ضروری ہے، یہاں مابعد کی عبارت سے بظاہر تصور ہوتا ہے کہ وحشیانہ افعال سے کچھ ایسی مذہبی سزائیں مراد ہے جس کا قرینہ وہ تفریع ونتیجہ ہے جو اس کے بعد کی عبارت "اور عام انسانوں کی بلند ترین آرزو یہ رہی ہے۔۔۔" ہے۔اگر یہ قرینہ درست ہے تو یہ لفظ بھی سخت قابل اشکال ہےاوراس سے مذہب کی واضح توہین وتذلیل ہوتی ہے۔شرعی دلائل سے حدود وتعزیرات کے طور پر جو جو سزائیں مقرر ہیں، وہ سب درست، برحق اور اپنی حد تک ضروری ہیں،ان کو وحشیانہ افعال سے تعبیر کرنا حرام بلکہ موجب کفر بن سکتا ہے۔

"چونکہ یہ ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو بڑھایا جائے۔"

باہمی طور پر اچھے تعلقات استوار کرنا مستحسن اور قابل تعریف ہے، لیکن کافراور مسلمان کے درمیان دلی دوستانہ تعلقات رکھنا اصلاً درست نہیں ہے چہ جائیکہ ضروری ہو۔اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ کافر پر بلا وجہ ظلم وتعدی کی جائے بلکہ کافروں کی مختلف قسمیں ہیں جن کے احکام بھی مختلف ہیں، چنانچہ ذمی کافر پر ظلم ایسا ہی حرام وممنوع ہے جس طرح ایک مسلمان پر حرام ہے، حربی کافر کا یہ حکم نہیں ہے۔

منشور کی عبارت:

"چونکہ اقوام متحدہ کی ممبر قوموں نے اپنے چارٹر میں بنیادی انسانی حقوق، انسانی شخصیت کی حرمت اور قدر اور مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کے بارے میں اپنے عقیدے کی دوبارہ

تصدیق کر دی ہے اور وسیع تر آزادی کی فضا میں معاشرتی ترقی کو تقویت دینے اور معیار زندگی کو بلند کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

چونکہ ممبر ملکوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے اشتراک عمل سے ساری دنیا میں اصولاً اور عملاً انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں گے اور کرائیں گے۔

چونکہ اس عہد کی تکمیل کے لیے بہت ہی اہم ہے کہ ان حقوق اور آزادیوں کی نوعیت کو سب سمجھ سکیں۔

لہٰذا جنرل اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ انسانی حقوق کا یہ عالمی منشور تمام اقوام کے واسطے حصول مقصد کا مشترک معیار ہوگا تاکہ ہر فرد اور معاشرے کا ہر ادارہ اس منشور کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیم و تبلیغ کے ذریعے ان حقوق اور آزادیوں کا احترام پیدا کرے اور انھیں قومی اور بین الاقوامی کارروائیوں کے ذریعے ممبر ملکوں میں اور ان قوموں میں جو ممبر ملکوں کے ماتحت ہوں، منوانے کے لیے بتدریج کوشش کر سکے۔"

تجزیہ:

"مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کے بارے میں اپنے عقیدے کی دوبارہ تصدیق کر دی ہے۔"

یہاں "عقیدے" کا لفظ بڑا معنیٰ خیز ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جس چیز کو حقوق سے تعبیر کیا جارہا ہے اور اس میں مساوات کو ضروری قرار دیا جارہا ہے، اس میں شرعاً مرد و زن برابر نہیں ہیں، اسی طرح جن باتوں کو "انسانی حقوق" اور "انسانی شخصیت کی حرمت اور قدر" تسلیم کروایا جارہا ہے، وہ بھی مجموعی طور پر شریعت بلکہ تقریباً ادیان سماویہ سے متصادم ہیں۔ اب یہاں لفظ عقیدے کی اصطلاح استعمال کرنے کا مطلب یہی ہے کہ یہ صرف عملی وانتظامی نوعیت ہی کی باتیں نہیں ہیں جس کو زیادہ سے زیادہ معصیت وگناہ کہہ کر اکتفاء کی جائے بلکہ اعتقاد و نظریہ بھی اس کے مطابق رکھنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ قطعی احکام کے بلا قابل عقیدہ رکھنا انسان کو کفر کی دہلیز تک لے پہنچاتا ہے۔ نیز پھر اس کو بنیادی انسانی حقوق وغیرہ جاذب عنوانات سے مشہور ومتعارف کروانے میں، خدانہ کرے، اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اس کے بالمقابل جو باتیں شرعی دلائل سے ثابت ہیں، اس کو بنیادی انسانی

حقوق کے خلاف سمجھ کر ان کی توہین وتذلیل کی جائے گی جس کا انجام نہایت بھیانک اور خطرناک ہے۔

"ممبر ملکوں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ۔۔"

شرعی دلائل سے متصادم عہد کرنے کی گنجائش ہے نہ ہی اس کے مطابق عملدرآمد کرنا جائز ہے۔

دفعہ ۱:

"تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ اس لیے انھیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔"

اگر آزادی سے مراد غلام نہ ہونا ہے تو یہ بات فی نفسہ درست ہے البتہ ضابطہ یہ ہے کہ اگر ماں لونڈی ہے تو پیدا ہونے والا بچہ بھی غلام ہوگا (اس کی بعض تفصیلات میں ائمہ مجتہدین کی آراء مختلف ہیں جس کی طرف سے کتب فقہ کی طرف مراجعت کرلینی چاہئے) اور اگر آزادی سے مذہب یا رائے وغیرہ کے اظہار کی آزادی ہو جس طرح کہ آئندہ دفعات میں ذکر ہوگا تو ایسی آزادی کا خیال قطعاً درست نہیں ہے بلکہ انسانیت کو ایسی آزادی دینا درحقیقت اس کو یا تو خدا بنانا ہے یا جانور۔ جہاں تک حقوق وعزت کی بات ہے تو اس کے بارے میں پہلی بات ذکر کی جاچکی ہے کہ یہاں اس منشور میں جس چیز کو حق قرار دیا جارہا ہے، اس میں سے بہت سی بلکہ اکثر چیزیں ایسی ہیں جو شریعت بلکہ شاید کسی بھی دین کی نظر میں حق ہیں ہی نہیں۔ اور جو کچھ شریعت کی نظر میں حق ہے، اس میں بھی مرد وعورت اور غلام وآزاد کا فرق ضروری ہے، تمام انسانوں میں برابری کا تصور غلط ہے۔

اس کے بعد اس پر جو "بھائی چارے کے سلوک کرنے" کی تفریع کی گئی ہے وہ بھی شرعاً درست نہیں ہے، چنانچہ شریعت کی نظر میں انسان اگرچہ صحیح اور مناسب فطرت واستعداد کے مطابق پیدا ہوتا ہے لیکن عقل وبلوغ کی عمر تک پہنچنے کے بعد جب وہ اپنے اختیار سے کفر کا راستہ اپناتا ہے تو یہ شریعت کی نظر میں سب سے بڑا جرم اور عظیم بغاوت ہے، اس لئے مسلمان کے لئے ایسے باغی شخص سے بھائی چارے کا تعلق رکھنا درست نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی بھائی چارگی کی تو شریعت تعلیم وہدایت کرتی ہے لیکن مسلمان کا کافر کے ساتھ بھائی چارگی کا تعلق رکھنا درست نہیں ہے۔ پھر کافر کی مختلف قسمیں ہیں جن کے احکام بھی مختلف ہیں جس کی تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف مراجعت کرلینی

چاہئے۔ یہ دفعہ ان تمام شرعی نصوص سے متصادم ہے جن میں کفر واسلام اور کافر و مسلمان کے احکام کے درمیان تفریق کا حکم دیا گیا ہے جن کو بعض دفعہ "ولاء و براء" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

دفعہ ۲:

(۱) ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔

(۲) اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہے، اس کی سیاسی کیفیت، دائرۂ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی دوسری بندش کا پابند ہو۔"

تجزیہ:

"ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے"۔ دفعہ نمبر دو ۲ کی اس پہلی شق میں دو باتیں قابل بحث ہیں:

الف: اس بات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ یہاں جن چیزوں کو آزادی اور حق باور کرایا جا رہا ہے، ضروری نہیں کہ شریعت کی نظر میں بھی اس کو آزادی اور حق تصور کیا جائے بلکہ جیسا کہ آئندہ دفعات اور ان کے تجزیے میں ذکر کر دیا جائے گا کہ ان مزعومہ آزادی اور حقوق میں اکثر چیزیں ایسی ہیں جن کی شریعت کی طرف سے بالکل ہی اجازت نہیں ہے، لہٰذا ان چیزوں کو نہ آزادی خیال کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو حق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ب: اس کے پوری تعمیم کے ساتھ مختلف چیزیں گنوا کر جو یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان چیزوں سے انسانیت کی ان تمام آزادیوں اور حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جو چیزیں شرعی تناظر میں آزادی اور حق ہیں ہی نہیں بلکہ ممنوع ہیں، ان کا تو کسی کو بھی اختیار نہیں ہے اور درج بالا چیزوں سے ان پر بایں معنیٰ اثر نہیں پڑے گا کہ کسی بھی رنگ و نسل وغیرہ صفات کے حامل لوگوں کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔ اور جن چیزوں کو شریعت حق سمجھتی ہیں ان میں رنگ، زبان اور سیاسی پارٹی کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، نسل، قوم و خاندان اور دولت کا کفاءت کی بعض صورتوں میں

اعتبار کیا گیا ہے۔ جہاں تک مذہب اور عقیدے کی بات ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑے گا تو یہ بالکل غلط اور دسیوں نصوص سے متضاد ہے جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

"(۲) اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے "محض کسی علاقے میں رہائش پذیر ہونے کی بناء پر امتیازی سلوک نہ کرنے کی بات درست ہے البتہ دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان بہت سے احکام میں فرق ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص دار الحرب میں سکونت اختیار کرتا ہے تو اس پر وہی احکام جاری ہوں گے جو وہاں کے رہنے والوں کے لئے شریعت کی طرف سے مقرر ہے۔

دفعہ ۳:

ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔

تجزیہ:

جان اور تحفظ کی آزادی کے حوالہ سے اسلامی تعلیمات واحکام کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت (جس میں جان کی حفاظت داخل ہے) کی دو قسمیں ہیں: عصمت موثمہ اور عصمت مقوّمہ۔ اول الذکر کا مطلب ایسی عصمت وحفاظت ہے جس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہو، اس کا دار مدار اسلام پر ہے، لہٰذا جو شخص مسلمان ہو، اس کو جان ومال کی حفاظت کی تحفظ کا حق حاصل ہے اور بلا وجہ اس سے تعرض کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ظلم وسرکشی ہے جس کی مذمت ظاہر ہے۔ اور "عصمت مقوّمہ" کا مطلب یہ ہے کہ جان کو ایسا تحفظ حاصل ہو جس کی خلاف ورزی کرنا صرف گناہ ہی نہ ہو بلکہ موجب سزا بھی ہو، اس کا مدار دار الاسلام میں رہنے پر ہے، لہٰذا جو شخص دار الاسلام کے قانون کی پاسداری کرتے ہوئے وہاں سکونت پذیر ہو، اس کی جان ومال سے تعرض کرنا جائز نہیں ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا ذمی کافر۔ اگر کوئی شخص نہ مسلمان ہو اور نہ دار الاسلام میں رہتا ہو بلکہ حربی ہو تو اس کی جان اصلاً معصوم نہیں ہے الّا یہ کہ کوئی معاہدہ ہو جائے تو حتی الامکان اس کی پاسداری ضروری ہے۔

جہاں تک "آزادی کا حق" ہے تو اس دستور کے دیگر بہت سے الفاظ کی طرح یہ لفظ بھی مجمل اور غیر واضح ہے، اگر اس سے مراد غلامی سے آزادی ہو جیسا کہ عام طور پر اس لفظ سے متبادر ہوتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر آزاد شخص کو ایسی آزادی حاصل ہے لیکن اس سے دین ومذہب اور رائے وفکر کی آزادی مراد ہے، تو اس کا تصور دین سے متصادم ہے جس کا متعدد بار ذکر کیا گیا ہے۔

دفعہ ۴:

کوئی شخص غلام یالونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی شکل بھی ہو، ممنوع قرار دی جائے گی۔

تجزیہ:

کسی کو غلام ولونڈی بنانا شرعاً ضروری نہیں ہے۔ جنگی قیدیوں کے متعلق خلیفہ اور حاکم وقت کو اختیار ہے، اگر مسلمانوں کی اجتماعی مصالح کے پیش نظر وہ غلام یالونڈی بنانا چاہے تو بھی درست ہے اور اگر اس میں مصلحت نہ سمجھے تو عملی طور پر ایسا کرنا غیر ضروری ہے، لیکن اس حوالہ سے جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ایسا کرنے کو جائز تصور کیا جائے، نظریہ واعتقاد کی حد تک اس کو درست سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ بھی ان احکام میں سے ایک ہے جو ابھی تک منسوخ نہیں ہوئے۔ اب اگر ممنوع قرار دینے سے یہی نظریاتی واعتقادی طور پر منع کرنا مراد ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ان نصوص سے بغاوت واعراض کے مترادف ہے جس سے اس کی اجازت ظاہر ہوتی ہے اور اگر عملی طور پر ممنوع قرار دینا مقصود ہے تو اس کا حکم پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

دفعہ ۵:

کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ، انسانیت سوز یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔

تجزیہ:

"جسمانی اذیت یا ظالمانہ، انسانیت سوز یا ذلیل سلوک یا سزا" یہ سارے مبہم قسم کے الفاظ ہیں جن کی کوئی تشریح وتوضیح نہیں کی گئی ہے، اس لئے اس حد تک تو کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی۔ البتہ مغربی ذہن کے لوگ عام طور پر اسلامی حدود وقصاص اور بعض دیگر تعزیری سزاوں کے لئے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ سزائیں انسانیت سوز اور وحشیانہ ہیں چنانچہ مختلف مواقع پر وہ اس کا برملا اظہار واعلان بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بارے میں شریعت کا موقف ظاہر ہے کہ کسی بھی ثابت شدہ شرعی حکم کو (چاہے وہ حدود وقصاص کا حکم ہو یا عبادات ومعاملات سے متعلق ہو یا سیاست وحکومت سے اس کا تعلق ہو) ظلم، خلاف انصاف، وحشی سمجھنا یا اس کی تذلیل وتوہین کرنا بالکل کفر اور دین سے بغاوت ہے۔

دفعہ ۶:

ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔

تجزیہ:

بظاہر تسلیم کرنے کا مطلب یہی ہے کہ مزعومہ "انسانی حقوق "اور "بنیادی آزادیوں " سے اس کو سرفراز کیا جائے اور اس کا حکم پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو حق اور آزادی شریعت میں ثابت نہ ہو ،وہ بہر حال ممنوع ہے۔

دفعہ ۷ :

قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا جس تفریق کے لیے ترغیب دی جائے،اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حق دار ہیں۔

تجزیہ:

اسلامی نقطہ نظر سے قرآن وسنت اور ان کی روشنی میں طے پانے والا اجماع اور قیاس ہی قانون ہے اور انہی چار چیزوں کو شرعی دلائل بھی کہا جاتا ہے ،یہ دلائل مختلف مسائل میں اسلام وکفر اور عدالت اور فسق کی بنیاد پر تفریق کرتے ہیں،امن پانے کے متعلق بھی بعض مسائل میں اسلام وکفر کی بنیاد پر تفریق کی گئی ہے، جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

دفعہ ۸:

ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔

تجزیہ:

"بنیادی حقوق" سے وہی حقوق مراد ہیں جو اس منشور میں ہر انسان کے لئے ثابت کئے گئے ہیں ۔یہ حقوق چونکہ مجموعی طور پر شرعی دلائل سے متصادم ہیں اس لئے اس کو حقوق قرار دینا ہی درست نہیں ہے چہ جائیکہ اس کے تلف کرنے پر عدالتی چارہ جوئی کی گنجائش دیدی جائے ! البتہ اگر واقعۃً کوئی ایسا حق ہو جس کو شریعت بھی حق کے طور پر تسلیم کرتی ہے گو شرعی حدود میں رہتے ہوئے بلاشبہ مظلوم ومتاثر فریق کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کا اختیار ہے۔

دفعہ ۹:

کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

تجزیہ:

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ حاکم یا قاضی بلاوجہ ایسی کاروائی نہیں کر سکتا ورنہ اس کا ظلم و تعدی ہونا ظاہر ہے اور اگر ان سزاؤں کا موجب کسی جرم کا ارتکاب کرے اور یہ جرم گواہوں وغیرہ معتمد ذرائع سے ثابت بھی ہو جائے تو حاکم کو اختیار ہے۔ البتہ ان دو اتفاقی صورتوں کے علاوہ بعض اوقات یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ کسی شخص نے ابھی تک کوئی ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کیا جو ان سزاؤں کا متقاضی ہے یا کوئی جرم ہی نہیں کیا لیکن دونوں صورتوں میں حاکم اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت اسی میں سمجھتا ہے کہ اس کو ملک بدر کر دیا جائے تو ایسی صورت میں اگر حاکم علم و عمل کے لحاظ سے معتمد ہو اور وہ مسلمانوں کی مصلحت اسی میں سمجھے تو اس کو اختیار ہے کہ متعلقہ شخص کو جلا وطن کر دے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے " صبیغ "نامی شخص کو متشابہات کے متعلق زیادہ سوالات کرنے کی وجہ سے ملک بدر کیا اور نصر بن الحجاج نے کوئی جرم نہیں کیا لیکن اس کے زیادہ حسن وجمال کی وجہ سے خطرہ تھا کہ عورتوں کے حق میں فتنہ وامتحان کا ذریعہ بنے گا، اس لئے ان کو ملک بدر کیا۔

دفعہ ۱۰:

ہر ایک شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقے پر ہو۔

تجزیہ:

یہ درست ہے کہ ہر شخص کو اپنے خلاف عائد کردہ الزام کے متعلق مقدمہ دائر کرنے اور انصاف وغیر جانبداری کے ساتھ اس کی سماعت ہو جانے کا حق حاصل ہے۔ لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ "حقوق و فرائض" کون کونسے ہیں؟ اور اس میں کیا کچھ داخل ہیں؟

شرعی نقطہ نظر سے وہی چیزیں اس میں داخل ہو سکتی ہیں جن کا حق یا فرض ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہو، کسی چیز کے حق یا فرض ہونے بلکہ مباح و غیر مباح ہونے کا معیاد و مدار بھی یہی شرعی دلائل ہی ہیں۔ لہٰذا اگر کسی چیز کو نصوص سے یہ درجہ حاصل نہیں ہے تو اس کے حاصل کرنے کے متعلق کسی کو عدالتی چارہ جوئی کا حق نہیں ہے، مثلاً مرد و زن کے ہر چیز میں مساوات کا مسئلہ ہے کہ یہ منشور اور دیگر لادینی قوتیں اس کو عورتوں کے حقوق خیال کرتی ہیں اور اس کے حاصل کرنے کو عدالتی اور حکومتی فرائض میں سے گردانتی ہیں لیکن چونکہ مساوات کا یہ نظریہ شرعی نصوص سے واضح طور پر متصادم ہیں، اس لئے ہم نہ اس مساوات کو عورت کا حق سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کی تحصیل و تکمیل کو عدالت و حکومت کی ذمہ داری خیال کرتے ہیں بلکہ حکومت اور ہر مقتدر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قدرت واستطاعت کی حد تک مرد اور عورت دونوں اصناف کو اپنے اپنے متعلقہ شرعی احکام پر عمل کرانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

دفعہ ۱۱:

(۱) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے، بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جا چکا ہو۔

(۲) کسی شخص کو کسی ایسے فعل پر فرد گزاشت کی بنا پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔

تجزیہ:

"قانون کے مطابق جرم" کسی چیز کے جرم و گناہ کا مصدر شرعی دلائل پر ہے، جس چیز کو شریعت میں جرم و گناہ شمار کیا گیا ہے وہ بہر حال گناہ تصور ہو گا اور جس چیز کا گناہ یا جرم ہونا شرعی دلائل کی روشنی میں ثابت نہ ہو، اس کو جرم و گناہ سمجھنا ہی درست نہیں ہے۔ اب اگر قانون بھی شریعت کے ساتھ بالکل متفق ہو اور جس چیز کو شریعت گناہ سمجھتی ہے، اسی چیز کو قانون بھی گناہ قرار دے یوں ہی جس چیز کو شریعت گناہ نہیں سمجھتی، اس کو قانون بھی گناہ کا درجہ نہ دے، تب تو ایسے قانون کے متعلق یہ دفعہ بالکل درست ہے۔ لیکن اگر کسی قانون کا شریعت کے ساتھ اس نوعیت کا تعلق نہ ہو جیسا کہ بحالت

موجودہ دنیا کے اکثر ممالک کے قوانین کا حال ہے ، تواس کے متعلق یہ دفعہ شرعاً غلط اور ناقص ہے۔یہی تفصیل اس دوسرے دفعہ کے متعلق بھی پیش نظر رہنی چاہئے۔

دفعہ ۱۲:

کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

تجزیہ:

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو فرد اور اجتماع کے تمام احوال کے متعلق کچھ روشن تعلیمات اور مفید ہدایات دیتی ہے،انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں اس دین متین نے انسانیت کو اپنی مثالی وفلاحی رہنمائی سے محروم رکھا ہو، چاہے وہ اس کی نجی، خانگی زندگی ہو یا گھر بار اور خط وکتابت کی صورتیں ۔ اور ہر مسلمان ان شعبوں کے متعلقہ دین اسلام کی تعلیمات کا مخاطب ہے۔تاہم یہ الگ بحث ہے کہ اسلامی حکومت کو کونسی باتوں میں مداخلت کا حق ہے اور کہاں نہیں ؟اسی سے متعلق ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر خفیہ طور پر کوئی گناہ ہو رہا ہے تو عام حالات میں تجسس کرنا درست نہیں ہے۔

"ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے" یہ درست ہے،البتہ اگر کوئی شخص کسی جرم وگناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے متعلق جو کچھ شریعت کا حکم ہو،اس کو نافذ کیا جائے گا اور ایسے احکام کی تکمیل سے قانون رکاوٹ نہیں بن سکتی بلکہ ان جیسے احکام کی تعمیل ہی اس کی ذمہ داری ہے۔

دفعہ ۱۳:

(۱) ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو۔

(۲) ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے، چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو۔اور اسی طرح اسے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

تجزیہ:

"ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت"۔ یہ تعمیم درست نہیں ہے، چنانچہ جزیرۃ العرب اس سے مستثنیٰ ہے اور وہاں کسی کافر کو مستقل سکونت اختیار کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

«لأخرجن اليهود، والنصارى من جزيرة العرب حتى لا أدع إلا مسلما».

ترجمہ: "میں ضرور یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالوں گا، یہاں تک کہ اس میں مسلمان کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔"

اسی طرح "مسند احمد" کی روایت ہے:

عن عائشة، قالت: كان آخر ما عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن قال " لا يترك بجزيرة العرب دينان ".

ترجمہ: "حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے آخر جو بات ارشاد فرمائی ،وہ یہ تھی کہ جزیرہ عرب میں دو دین نہیں چھوڑے جائیں گے۔"

دفعہ ۱۴:

(۱) ہر شخص کو ایذا رسانی سے دوسرے ملکوں میں پناہ ڈھونڈنے، اور پناہ مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(۲) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا جو خالصاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف ہیں۔

تجزیہ:

ایذاء رسانی اگر بلا وجہ ہے تو بے شک اس سے اپنے آپ کو بچانے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے البتہ دار الحرب جا کر پناہ ڈھونڈنا مشروط طور پر جائز ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہاں پناہ ڈھونڈنے میں اس ایذا رسانی سے بڑھ کر کسی دینی مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہے جس کی وجہ سے اس پر شرعاً کوئی حد یا تعزیری سزا عائد ہو جائے تو گو سزا میں بھی ایذا رسانی ہے لیکن اس سے بچنے کے لئے دوسرے ملک پناہ ڈھونڈنا جائز نہیں ہے۔

"اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف ہیں" یہ بھی درست نہیں ہے۔ کسی چیز کے جرم ہونے یا نہ ہونے کا مدار اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کی مخالفت یا موافقت پر نہیں ہے بلکہ شرعی دلائل پر ہے جس کی تفصیل پہلے ذکر کی گئی ہے۔

دفعہ ۱۵:

(۱) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(۲) کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کو قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا۔

تجزیہ:

قومیت کا معنیٰ اگر کسی قوم کی طرف منسوب ہونا ہے تو یہ ایک غیر اختیاری چیز ہے جس کو قانون کا درجہ دینے کی کوئی خاطر خواہ وجہ نہیں ہے اور اگر قومیت کا مطلب وہ ہے جو مغرب اور مستغرب دنیا میں عام طور پر اس لفظ سے لیا جاتا ہے کہ ہر حال میں اپنی قوم کے مفادات کا تحفظ کیا جائے چاہے اس کے لئے سچائی، خیر خواہی، دیانت داری وغیرہ اخلاقی سرحدات کی قربانی ہی دینی پڑے اور جھوٹ وفریب، عجب وکبر اور معاہدہ شکنی وغیرہ شرعی جرائم کے ارتکاب کرنے کی بھی نوبت آئے تو اس مفہوم میں قومیت عصبیت کہلاتی ہے جو دینِ اسلام میں حد درجہ مذموم اور ممنوع ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے:

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من خرج من الطاعة، وفارق الجماعة، ثم مات مات ميتة جاهلية، ومن قتل تحت راية عمية، يغضب للعصبة، ويقاتل للعصبة، فليس من أمتي، ومن خرج من أمتي على أمتي، يضرب برها وفاجرها، لا يتحاش من مؤمنها، ولا يفي بذي عهدها، فليس مني».

ترجمہ: "حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص (امام کی) اطاعت وفرمانبرداری سے نکلے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر مرے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور جو شخص اندھے جھنڈے کے تحت لڑے (یعنی) تعصب کی وجہ سے غصہ ہو اور اسی جذبے کے تحت لڑائی کرے تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ اور میری امت میں سے جو

شخص میری امت کے خلاف نکلے اور نیک وبد کو مارے کہ نہ مؤمن سے کوئی وحشت رکھے اور نہ کسی معاہدہ کرنے والے کا پاس ولحاظ رکھے تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

اسی کے باب یہ روایت بھی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من قتل تحت راية عمية، يدعو عصبية، أو ينصر عصبية، فقتلة جاهلية».

ترجمہ: "حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اندھے جھنڈے کے تحت قتل ہو جائے (کہ) جاہلیت کی طرف دعوت دے یا تعصب کی بنیاد پر کسی کے ساتھ مدد کرے تو اس کا مرنا جاہلیت کی موت ہے۔"

ایک طرف قوم کے ساتھ محبت کرنا ایک فطری وطبعی امر ہے جس کا انسان مکلف نہیں ہے دوسری طرف بعض صورتوں میں اس کے نقصانات ونتائج بد بھی پوشیدہ نہیں ہیں، اس لئے نہ کلی طور پر اس کی ممانعت کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کھلی چھوت دی جاسکتی ہے۔ پھر اس کا معیار کیا ہونا چاہئے ؟"سنن ابن ماجہ" کی درج ذیل روایت سے اس کا معیار واضح ہوتا ہے کہ قوم سے محبت رکھنا کوئی مذموم نہیں ہے، جو چیز مذموم ہے وہ یہ ہے کہ ظلم ومعاصی میں بھی ان کا ساتھ دیا جائے اور وہ کسی معاملے میں غلطی پر ہوں تب بھی محض "اپنی قوم" ہونے کی بناء پر ان کی طرف سے دفاع کیا جائے۔

روایت یہ ہے:

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا زياد بن الربيع اليحمدي، عن عباد بن كثير الشامي، عن امرأة منهم يقال لها: فسيلة، قالت: سمعت أبي يقول: سألت النبي - صلى الله عليه وسلم - فقلت: يا رسول الله، أمن العصبية أن يحب الرجل قومه؟ قال: "لا، ولكن من العصبية أن يعين الرجل قومه على الظلم".

ترجمہ: "فسیلہ نامی ایک عورت کے والد نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا اپنی قوم سے محبت کرنا بھی عصبیت میں داخل ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: "نہیں۔ لیکن عصبیت میں سے (ایک شکل) یہ (بھی) ہے کہ انسان ظلم کے کام میں بھی اپنی قوم کے ساتھ تعاون کرے۔"

دفعہ ۱۶:

(۱) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت یا مذہب کی بناپر لگائی جائے، شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(۲) نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہوگا۔

(۳) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔

تجزیہ:

اس دفعہ کے پہلے فقرے میں دو پیرا گراف ہیں اور دونوں ہی سخت غلط اور مذہب سے بغاوت کے مترادف ہیں۔ پہلے پیرا گراف میں مذہب کی بناء پر جو شادی بیاہ کے سلسلے میں جو کچھ پابندیاں لگائی جاتی ہیں، ان کو بالکل بے اثر اور غیر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ایسی کسی پابندی کے بغیر بالغ مردوں اور عورتوں کو شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ حالانکہ یہ دینِ اسلام کا ایک مکمل باب ہے جس میں بیسیوں صریح نصوص وارد ہوئی ہیں جن میں کئی باتوں کو فرض، متعدد پابندیوں کو واجب جبکہ مختلف احکام کو سنت و مستحب کی حیثیت دیدی گئی ہے، یہاں ان تمام پابندیوں کے بغیر بھی نکاح کرنے اور گھر بسانے کا حق دیا جارہا ہے جو شریعت سے واضح طور پر متصادم ہے۔

دوسرے پیرا گراف میں مرد و عورت کو تین امور میں برابر کے حقوق دئے گئے ہیں: نکاح۔ ازدواجی زندگی اور نکاح فسخ کرنا۔ یہ بھی شرعاً بالکل غلط اور ناقابل اتفاق ہے۔ ان تینوں مراحل میں شریعت اسلامیہ نے مرد و عورت کے احکام میں فرق کیا ہے جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر نکاح کے معاملہ میں اگر مرد و عورت دونوں بالغ ہیں تو باہمی اتفاق اور ایجاب و قبول سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے، لیکن یہ نکاح تب ہی نافذ ہوگا جب کہ عورت نے کفاءت میں نکاح کیا ہو اور یہ مرد اس کا ہم پلہ ہو جبکہ مرد کے لئے یہ قید نہیں ہے۔ اس حکم کو نادانی کے ساتھ ظلم و پابندی خیال کیا جاتا ہے اور عورت کے حقوق کے خلاف تصور کیا جاتا ہے لیکن اس سے عورت کی عصمت و عزت میں کس قدر اضافہ ہوتا ہے؟ وہ کسی منصف مزاج عقل مند آدمی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرا مرحلہ ازدواجی زندگی کا ہے، یہاں بھی شریعت نے مرد کو "قوام" و نگہبان قرار دیا اور عورت پر

جائزامور میں شوہر کی تابعداری کرنے کی پابندی لگائی جبکہ عورت کا رزق ومعاش وغیرہ کا سارا بوجھ مرد پر ڈالا۔قرآن کریم میں ہے:

} الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا{ [النساء: ٣٤]

ترجمہ:"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں پھر جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں مردوں کے پیٹھ پیچھے اللہ کی نگرانی میں (ان کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور سونے میں جدا کردو اور مارو پھر اگر تمہارا کہا مان جائیں تو ان پر الزام لگانے کے لیے بہانے مت تلاش کرو بیشک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔"

سورۃ بقرۃ میں ارشادِ خداوندی ہے:

} وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ{ [البقرة: ٢٢٨]

"دستور کے مطابق ان کا ویسا ہی حق ہے جیسا ان پر ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

غرض اس مرحلہ پر بھی دونوں کے درمیان تمام مزعومہ "حقوق" میں مساوات نہیں ہے۔ تیسرا مرحلہ نکاح فسخ کرنے کا ہے، وہاں بھی مساوات نہیں ہے بلکہ شریعت نے طلاق، ایلاء، ظہار وغیرہ کی صورت میں فسخ نکاح کا اختیار صرف مرد کو دیا ہے جبکہ خلع کی صورت میں نکاح ختم کرنے کا معاملہ باہمی اتفاق پر موقوف رکھا ہے۔

"نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہوگا۔" یہ اس دفعہ کا دوسرا فقرہ ہے۔اگر فریقین بالغ ہوں تو یہ بات درست ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ رضامندی کی وجہ سے شرعی حدود کو پامال نہ کیا جائے، مثال کے طور پر محارم کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اور اگر فریقین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک نابالغ ہو تو نابالغ فریق کی رضامندی کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے "ولی" یہ سارا معاملہ انجام دے گا۔

دفعہ ۱۷:

(۱)ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔
(۲) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

تجزیہ:

یہ ذاتی ملکیت کا مسئلہ ہے، جس کی شریعت بھی فی الجملہ تائید کرتی ہے۔اس لئے اس حد تک یہ بات مسلم ہے۔

دفعہ ۱۸:

ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

تجزیہ:

شرعی نقطہ نظر سے یہ دفعہ کئی گمراہیوں اور بے شمار معاصی و منکرات کی جڑ ہے جس سے کسی طرح اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس دفعہ میں ہر انسان کو تین چیزوں کی آزادی کا حق دیا گیا ہے: آزادی فکر۔آزادی ضمیر اور آزادی مذہب۔

"آزادی فکر" کا متبادر معنٰی ہے کہ جو شخص جو کچھ فکر کرنا چاہے،اس کو اختیار ہے،اس پر کوئی روک ٹوک درست نہیں ہے۔اب اگر اس سے اختیاری فکر و سوچ مراد لے لی جائے تب تو یہ بات کوئی خاص قابل اشکال نہیں تھی۔لیکن یہاں یہ معنٰی مراد نہیں ہے،ایک تو اس لئے کہ اس منشور کے بانی اور پاسبان کے ہاں آزادی فکر اس میں منحصر نہیں ہے اور ساتھ اس لئے بھی کہ جب کوئی چیز غیر اختیاری ہے اور انسان نہ چاہے تو بھی خود بخود آتی ہے تو جس طرح شریعت ایسی چیز کا کسی کو مکلف نہیں بناتی، یوں ہی عقلی لحاظ سے بھی ایسی چیز کو حق قرار دینے کی کوئی خاص توجیہ نہیں ہے۔اس لئے یہاں "آزادی فکر" کو غیر اختیاری افکار میں منحصر کرنا درست نہیں ہے بلکہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری، ہر طرح فکر و تصور کرنے کا انسان کو اختیار ہے اور اسی کا موقع بموقع اظہار و اشتہار بھی کیا جاتا ہے، جبکہ اس معنٰی

میں آزادی فکر کا تصور شرعاً بالکل غلط ہے چنانچہ اختیاری طور پر ایسی افکار کرنا، جس کی شریعت میں اجازت نہ ہو، ناجائزاور ممنوع ہے، اس کو حق تصور کرنا بالکل غلط اور بے جا ہے۔

دوسری چیز "آزادی ضمیر" ہے۔ ضمیر قلب ودل کو بھی کہا جاتا ہے اور راز وبھید کو بھی۔ اس لحاظ سے اس کا معنیٰ آزادی فکر کے قریب قریب ہے البتہ عام تاثر کے مطابق فکر کا تعلق عقل ودماغ کے ساتھ گردانا جاتا ہے اور ضمیر کے ساتھ اخلاق وجذبات کو متعلق کیا جاتا ہے۔ اس تفصیل کے مطابق آزادی ضمیر اخلاق وجذبات کی آزادی کو بھی شامل ہے اور اس باب میں آزادی ان تمام نصوص سے متضاد ہے جس میں اچھے اخلاق کی تعلیم وترغیب اور برے اخلاق وجذبات سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

تیسری چیز "آزادی مذہب" ہے یہ بھی شرعی لحاظ سے بالکل غلط اور متواتر نصوص سے متصادم ہے۔ یوں تو دین اسلام خواہ مخواہ کسی کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

} لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ{ [البقرة: ٢٥٦]

ترجمہ: "دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے بیشک ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔"

لیکن ایک بار جب کوئی اپنی مرضی سے اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے بعد یہ اختیار اور آزادی قطعاً حاصل نہیں ہے کہ وہ دین اسلام چھوڑ کر بالکل لادین ہوجائے یا کسی اور دین کی چھتری تلے شامل ہوجائے۔ اس کو ارتداد کہا جاتا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس کا مرتکب ہوجائے اوّلاً اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے گی، اگر اس کے باوجود وہ واپس اسلام میں داخل نہیں ہوا تو اگر مرد ہے تو قتل کیا جائے گا تاکہ اس کے شر سے دیگر افراد ومعاشرے کا دین وایمان محفوظ رہے اور اگر عورت ہے تو اس کے متعلق فقہاء مجتہدین کی آراء مختلف ہیں، بعض کے نزدیک اس کو بھی مرد کی طرح قتل کیا جائے گا جبکہ دیگر مجتہدین کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لئے قید میں ڈالا جائے گا یہاں تک کہ یا تو دوبارہ اسلام میں داخل ہوجائے اور یا وہی اس کی موت واقع ہوجائے۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

عن عكرمة، قال: أتي علي رضي الله عنه، بزنادقة فأحرقهم، فبلغ ذلك ابن عباس، فقال: لو كنت أنا لم أحرقهم، لنهي رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لا تعذبوا بعذاب الله» ولقتلتهم، لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من بدل دينه فاقتلوه».

ترجمہ:"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زنادقے حاضر کئے گئے جن کو انہوں نے جلایا۔ یہ بات حضرت ابن عباس کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ حضور ﷺ نے یہ کہہ کر اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ "تم لوگ اللہ کا عذاب کسی کو نہ دو" لیکن میں ضرور ان کو قتل کرتا کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اس کو قتل کرو۔"

ان تینوں چیزوں کی آزادی کا ذکر کرنے کے بعد جو ہر شخص کو اپنے مذہب وعقیدے کی کھلے عام تبلیغ و عمل کی اجازت دی گئی ہے، وہ بھی اس تعمیم کے ساتھ شرعاً درست نہیں ہے چنانچہ دار الاسلام میں غیر مسلم کو کھلے عام کفریہ شعائر کے اظہار واعلان اور اس کی طرف تبلیغ و تلقین کرنے کی بالکل اجازت نہیں ہے، اسی لئے تو اس کو دار الاسلام کہا جاتا ہے کہ یہ محض کوئی قومی ریاست نہیں ہے بلکہ اسلام ودین کے نام پر ایک واقعی نظریاتی ریاست ہے جس میں اسلام ہی کے شعائر اور اسی کا بول بالا ہوگا، کفریہ شعائر کے کھلے عام اشتہار کی یہاں کوئی اجازت نہیں ہے۔

دفعہ ۱۹:

ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے، ملکی سرحدوں کا خیال کیے بغیر علم اور خیالات کی تلاش کرے، انھیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

تجزیہ:

یہ دفعہ بھی سخت قابل اشکال اور بالکل غلط ہے جس سے بلا مبالغہ دنیا میں اب تک لاکھوں گمراہیاں پیدا ہوئے۔ دین اسلام بلکہ کسی بھی دین سماوی میں انسان کو اس کا بالکل بھی کوئی حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہے رائے رکھے اور جس چیز کی چاہے، اظہار کرے۔ کسی بھی مذہب کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ کچھ عقائد و نظریات رکھے جائیں اور ان کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ ہر قسم کی رائے رکھنے اور پھر اس کے اظہار واعلان کرنے کی آزادی دینا در

حقیقت دین اسلام ہی نہیں، بلکہ ہر دین ومذہب سے بغاوت کے مترادف ہے اور انسانیت کو اگر ایسی چھوٹ مل جائے تو اس کے بعد دین ومذہب کی کوئی واقعی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

دفعہ ۲۰:

(۱) ہر شخص کو پرامن طریقے پر ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔
(۲) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

تجزیہ:

شرعی نقطہ نظر سے انجمن کے مقصود واہداف کا جائز ہونا بھی ضروری ہے اور ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ اس کا طریقہ کار بھی شریعت کی تعلیمات کے مطابق ہو اور اس میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

دفعہ ۲۱:

(۱)ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔
(۲)ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔
(۳)عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریق رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

تجزیہ:

اس دفعہ کے پہلے دو فقروں تعمیم درست نہیں ہے چنانچہ دار الاسلام میں غیر مسلم رعایا کو کلیدی عہدوں پر فائز کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح بعض عہدوں کے متعلقہ ذمہ داریوں کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہوتا ہے، ایسے عہدیں بھی کافر کے سپرد کرنا درست نہیں ہے۔

اقتدار کی بنیاد عوام کی مرضی ہے نہ ہی اس کے لئے انتخابات کی ضرورت ہے، بلکہ اہل وحل عقد حکومت تشکیل دیں گے اور ایک مرتبہ حکومت تشکیل پانے کے بعد کسی خاص وقت کے گزرنے سے دوبارہ عزل ونصب اور دوبارہ انتخابات کرانا درست نہیں ہے بلکہ خلفیہ میں جب تک متعلقہ شرائط موجود رہے تو اپنے عہدے پر برقرار رہے گا۔

دفعہ ۲۲:

معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی کہ وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرے جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

تجزیہ:

ایک چیز کو حق تسلیم کرنے کے بعد مستحق شخص کا اس کو حاصل کرنا اور اس سلسلہ میں کوشش کرنا کیونکر ممنوع بن سکتا ہے! یہ تو ایک صاف سیدھی بات ہے جس میں کوئی دین ومذہب اختلاف نہیں کرتا۔ البتہ اصل نکتے کی بات یہ ہے کہ کونسی چیز کسی شخص کا حق ہے اور کونسی نہیں؟ اسی طرح اس دفعہ میں جو اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں کون کونسی باتیں داخل ہیں اور کونسی نہیں؟ ان میں سے کسی چیز کو حق قرار دینے کا معیار ومصدر کیا ہے؟ یہ اصل سوالات ونکات ہیں جن کی پوری طرح وضاحت کے بعد ہی یہ مسئلہ منقح ہو سکتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں شریعت کی تعلیم یہی ہے کہ کسی چیز کو حق قرار دینے کا معیار ومصدر دلائل شریعت ہی ہیں اور ان دلائل سے جس چیز کا حق ہونا ثابت نہ ہو، اس کو خواہ کتنے ہی دلکش عنوانات اور پُرفریب القابات کے ساتھ ذکر کیا جائے اور لوگوں سے اس کا حق ہونا تسلیم کروایا جائے لیکن بہر حال ایسی چیز کو حق نہیں قرار دیا جا سکتا۔

دفعہ ۲۳

(۱) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(۲) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(۳) ہر شخص جو کام کرتا ہے، وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(۴) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

تجزیہ:

پہلے فقرے میں روزگار کے آزادانہ انتخاب کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کو ہر شخص کا حق قرار دیا گیا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ شریعت جس طرح روزگار کی ترغیب و تلقین کرتی ہے یوں ہی اس میں جائز وناجائز کی تمیز بھی کرتی ہے چنانچہ روزگار سے متعلق بیسیوں صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے اور یوں ہی بیسیوں پابندیاں لگائی ہے جس کے نتیجے میں فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب وجود میں آیا جس کو معاملات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو روزگار کے سلسلہ میں آزادانہ انتخاب کا حق نہیں ہے بلکہ شرعی ضوابط واحکام کے مطابق کوئی روزگار اختیار کر سکتا ہے۔ روزگار کے باب میں بالکل آزادانہ اختیار دینا معاملات کے پورے اور وسیع باب کو بالکل بے اثر اور لغو قرار دینے کے مترادف ہے جس کے متعلق بلا مبالغہ سینکڑوں نصوص وارد ہوئی ہیں۔

دفعہ ۲۴:

ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

تجزیہ:

مزدوری وملازمت میں کام کا دورانیہ، تنخواہ کی مقدار اور چھٹی وتعطیلات کی حد بندی، یہ سارے امور فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہیں۔

دفعہ ۲۵:

(۱) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات شامل ہیں اور بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا یا ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(۲) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

تجزیہ:

"معاشرتی مراعات" اس میں شرعاً ضروری ہے کہ مراعات میں کوئی ایسی چیز شامل نہ کی جائے جو شریعت کی نظر میں ناجائز ہو، چنانچہ جو چیز شرعاً ممنوع و ناجائز ہو، اس کو خواہ کتنا ہی معاشرتی مراعات کہا جائے، یا انسانی ضرورت و حقوق کا حسین عنوان دیا جائے، اس کی حیثیت تبدیل نہیں ہوتی۔

"تحفظ کا حق حاصل ہے" یہ درست ہے البتہ تحفظ کے اس حق کی تکمیل کے لئے کوئی ناجائز راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دیگر تمام باتوں کے لئے یہاں بھی شریعت نے کچھ حدود و قیود مقرر رکھے ہے جس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مثال کے طور اگر کوئی شخص بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی یا بڑھاپے کی حالت میں محتاجی اور بے روزگاری سے ڈرتا ہے اور اس سے اپنے تحفظ کے لئے انشورنس کی پالیسی اختیار کرلیتا ہے یا اس سے نمٹنے کے لئے کوئی سودی اکاؤنٹ کھولتا ہے تاکہ درج بالا اعذار کے وقت اس پر گزر بسر کرتا رہے تو اس کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

دفعہ ۲۶:

(۱) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہوگی، کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں۔ ابتدائی تعلیم جبری ہوگی۔ فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(۲) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(۳) والدین کو اس بات کے انتخاب کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

تجزیہ:

اس دفعہ کے پہلے فقرے میں تعلیم کے متعلق چار باتیں کی گئی ہیں۔ دین اسلام میں تعلیم صرف حق ہی نہیں ہے بلکہ (ایک حد تک) علم حاصل کرنا مسلمان کی ذمہ داری اور اس کا فریضہ ہے اور شریعت بھی یہی تربیت کرتی ہے کہ تعلیم مفت ہو، اس پر کوئی مادی عوض وصول نہ کی جائے۔ خود حضور ﷺ نے حضرات صحابہ کرام کی ایسی ہی تربیت فرمائی تھی اور بعض موقعوں پر عوض لینے سے

ممانعت بھی فرمائی تھی۔تاہم جب ہم غور کرتے ہیں تو اسلام کے تصور علم اور مغرب کے تصور علم میں اتنا کھلا فرق محسوس ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان صرف یہی سہ حرفی نام ہی میں اشتراک ہے ۔شریعت میں جس علم کو فرض عین قرار دیا گیا ہے وہ دین کا ضروری ہے ،ہر شخص کے لئے اپنے پیش آمدہ مسائل کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور اس میں کوتاہی و غفلت برتنا گناہ و ناجائز ہے، جبکہ مغربی معاشرہ اس کو کوئی خاطر خواہ علم تصور نہیں کرتا، چنانچہ اسی دفعہ کے اسی فقرے کے آخر میں "فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے عام انتظام" کرنے کا ذکر ہے۔

اس لئے اس دفعہ میں جس علم کو جبری قرار دیا گیا ہے وہ مادی اشیاء اور دنیوی و عصری امور کا علم ہے جو کم از کم فرض عین نہیں ہے جس پر ہر کسی کو خواہی نخواہی مجبور کیا جاسکے، ہاں البتہ ان میں سے جو جو چیزیں ایسی ہیں کہ جو اسلامی معاشرے کے لئے ضروری ہے اور ان کے بغیر مسلمانوں کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو ایسے ء ملوم وفنون کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے جس پر ہر ہر شخص کو تو مجبور نہیں کیا جاسکتا، البتہ اتنے افراد کا ایسے ء ملوم کو حاصل کرنا کافی ہے جس سے معاشرے کی ضرورت پوری ہو جاتی ہو۔

دوسرے فقرے میں تعلیم کا جو مقصد بتایا گیا ہے، وہ شریعت کی نظر میں قطعاً غلط ہے۔یہاں تعلیم کے جو مقاصد بتائے گئے ہیں، وہ مقاصد ہی شرعاً ممنوع ہیں جن کا حاصل دین و مذہب سے استغناء اور لادینیت و بے راہ روی کی فضاء قائم کرنا ہے جیسا کہ پہلے متعدد بار ذکر کیا گیا ہے۔ان مقاصد کو دیکھ کر تعلیم کی نوعیت کا اندازہ کرنا بھی کچھ مشکل نہیں ہے کہ جس علم و تعلیم سے یہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں، اس کی نوعیت کیا ہوگی؟۔بہر حال شریعت کی نظر میں علم و تعلیم کے یہ مقاصد بالکل نہیں ہیں۔علم بلکہ پوری انسانی زندگی کا مقصود اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنی ہے، اب اگر دین کا علم ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ سیکھ کر خود عمل کیا جائے اور آگے بقدر استطاعت اس کی نشر واشاعت کی جائے اور یوں اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے۔اور اگر مادی چیزوں کا علم ہے تو وہ اس لئے ہے کہ اس کو حاصل کرکے معاشرے کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی جائے اور بندگان خدا کو راحت و سہولت پہنچا کر یوں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔انہی مقاصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے اسلام اور مغرب کے نظام تعلیم میں بھی واضح فرق پیدا ہوا۔

اس دفعہ کے تیسرے فقرے میں یہ بتایا گیا ہے کہ :" والدین کو اس بات کے انتخاب کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔" اس میں یہ قید ضروری ہے کہ تعلیم کا مقصود بھی درست ہو اور اس کا طریقہ کار بھی جائز ہو۔ لہٰذا آج کل جن چیزوں کو فن و ثقافت کے نام سے مشہور کیا جاتا ہے، اس کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے۔ یوں ہی مخلوط نظام تعلیم سے بچوں کو حتی الامکان بچا کر رکھنا ضروری ہے۔

دفعہ ۲۷:

(۱) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(۲) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا بچاؤ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، علمی یا ادبی تصنیف سے جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

تجزیہ:

"ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ" یہ لفظ مبہم ہے جس کی کوئی واضح حد بندی اس دفعہ میں نہیں کی گئی۔ البتہ جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا کہ بحالت موجودہ مغرب اور مغربی ذہن و فکر والے ممالک میں جس چیز کو ثقافت باور کرایا جاتا ہے، وہ ناجائز گانا بجانے، بے حیائی، بے پردگی، رقص و سرور، بے جا عشق و محبت اور فحاشی و عریانی جیسے سنگین معاصی و جرائم کا مجموعہ ہے جو تقریباً ہر دین و مذہب میں ناجائز ہے اور عقلی و اخلاقی لحاظ سے بھی کوئی فطرت سلیمہ رکھنے والا شخص اس کی گنجائش نہیں دے سکتا، جبکہ اس دفعہ میں اس کو ہر شخص کا حق قرار دیا جا رہا ہے جس سے ظاہر ہے کہ سینکڑوں وہ نصوص جو ان ابواب کے متعلق وارد ہوئی ہیں، بے کار و بے اثر قرار پاتی ہیں۔ لہٰذا یہ دفعہ بھی دیگر متعدد دفعات کی طرح دین سے بغاوت کے مترادف ہے۔

دفعہ ۲۸

ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کا حق دار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں پیش کر دیے گئے ہیں۔

تجزیہ:

یہ بات متعدد بار ذکر کی جاچکی ہے کہ یہاں جن باتوں کو آزادیاں اور حقوق تسلیم کروایا جارہا ہے، ان میں اکثر چیزیں شریعت مطہرہ سے قطعاً متصادم ہیں، اس لئے اس کو حق قرار دینا جائز ہے اور نہ ہی کسی کو کسی خلاف شرع آزادی کرنے یا اس میں شامل ہونے کی اجازت ہے۔

دفعہ ۲۹:

(۱) ہر شخص پر معاشرے کے حقوق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(۲) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔

(۳) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

تجزیہ:

اس دفعہ میں تین فقریں ہیں:

پہلے فقرے میں "معاشرے کے حقوق" کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں وہی تفصیل ہے جو دفعہ نمبر میں ذکر کی گئی ہے۔

دوسرے فقرے میں ان حدود کا ذکر کیا گیا ہے جن کی پابندی ضروری ہے۔ یہاں ان حدود کا جو معیار و مصدر ذکر کیا گیا ہے، وہ شریعت کی نظر میں کوئی مستقل مصدر نہیں ہے بلکہ کن حدود کی پابندی ضروری ہے اور کن کی نہیں؟ اس کا معیار و مصدر شرعی دلائل ہی ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں جو حدود ضروری ثابت ہوتے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے اور جن باتوں کو غیر ضروری یا ممنوع قرار دیا گیا ہے، وہ اپنی اسی حیثیت پر برقرار رہے گی۔

تیسرے فقرے میں "حقوق اور آزادی حاصل کرنے کے لئے جس شرط کو ضروری قرار دیا گیا ہے، وہ بھی شرعاً غیر ضروری ہے جس کی وجہ یہی معیار و مصدر کا اختلاف ہے۔

دفعہ ۳۰:

اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

تجزیہ:

اس دفعہ سے معلوم ہوا کہ آزادی وغیرہ جن چیزوں کو بنیادی انسانی حقوق باور کرایا گیا، خود اس منشور کے علم برداروں کے نزدیک اپنے تمام تر عموم کے ساتھ ان چیزوں کی اجازت نہیں دی جاسکتی بلکہ وہ بھی اس کی کچھ نہ کچھ حد بندی کرتے ہیں اور یہی شریعت اسلامیہ کی بھی تعلیم وہدایت ہے کہ انسان اصلاً اگرچہ آزاد پیدا ہوتا ہے لیکن اس آزادی کے بھی کچھ حدود وقیود ہیں، یوں ہی انسان اگرچہ بڑے ہی عزت وشرافت کی حامل مخلوق ہے لیکن اس میں اس قدر توسیع نہیں کی جاسکتی کہ اس کو دین ومذہب کی پابندیوں تک سے منزہ کیا جائے اور اس میں اس قدر مبالغہ کیا جائے کہ انسان کو انسانیت کے مقام سے بڑھا کر الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا جائے۔ غرض پوری آزادی نہ شریعت دیتی ہے اور نہ ہی یہ منشور، دونوں کچھ نہ کچھ تحدید کرتے ہیں۔

دونوں کے درمیان اگر کچھ فرق ہے تو یہی کہ دین ومذہب کی پابندی کا مصدر خود انسان نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہے جس کا علم بھی کامل ہے جس سے ماضی، حال اور مستقبل کا ذرہ تک باہر نہیں ہے، اور انسانیت کے ساتھ اس کی محبت ورحمت بھی بے حد ہے۔ لہٰذا اس کے قانون میں کوئی سقم متصور نہیں ہے اور نہ زمانہ کے تغیر وانقلاب سے اس میں کوئی نقص وکمزوری پڑ سکتی ہے کیونکہ انقلابات جہاں خواہ کتنے ہی ہوں، سب پہلے سے اس کے علم محیط میں موجود تھے اور حکم دیتے وقت ان تمام باتوں کا لحاظ اس میں موجود تھا۔ جبکہ یہ منشور اور دیگر تمام وضعی قوانین ودساتیر، جن کو خود حضرت انسان وضع کرتا ہے کہ انسان کا نہ علم ایسا کامل ہے کہ ماضی ومستقبل کی تمام باتیں اس کو معلوم ہو سکیں اور نہ ہی اس کے شفقت ورحمت پر پوری طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ خوشی وغمی اور کسی کے ساتھ احسان کرنے یا اس سے انتقام لینے، وغیرہ جیسے جذبات کی وجہ سے انسان اپنے علم وطبیعت اور عمل وکردار میں اعتدال وتوازن برقرار نہیں رکھ پاتا۔

اگر آزادی وغیرہ مزعومہ حقوق کی راہ میں کوئی قید وبند عائد کرنا انسانی عزت وشرافت کے خلاف اور ظلم ہے تو اس میں خاص دین ومذہب کو الزام دینا اور صرف اسی کو نشانہ بنانے کی آخر کیا وجہ ہے؟ کیا

یہ انصاف کا خون کرنا نہیں ہے؟اور اگر کچھ نہ کچھ پابندی ضروری ہی ہےاوراس کے بغیر متوازن معاشرے کا تصور مشکل ہے تو پھر انسانی عقل کے عائدہ کردہ پابندیوں کو لینےاوراسی پر اصرار کرنے کی کیاوجہ ہوسکتی ہے؟کیا یہ بات معقول نہیں ہے کہ جس ذات نےانسان کی تخلیق و تشکیل کی اوراس کو عقل وحکمت کے صفات سے نوازا،خوداس ذات کی صفات علم وحکمت وغیرہ انسان کی صفات سے زیادہ قابل اعتماد و تسلی ہوں گی؟اور جب ایسا ہے تواس کی طرف سے عائدہ کردہ حدود و قیود کو لینا انسانیت کے فلاح وبقاء کے لئے زیادہ خیر و برکت اور فلاح وترقی کا ضامن ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ جتنا بھی اس پر غور کیاجائے گا،اتنی ہی یہ بات واضح سے واضح تر ہوتی جاتی ہے کہ ان جیسے وضعی قوانین کی بنیاد یاتوانکارِ خداپر ہے یاجہالت وناواقفیت پر اور یاخواہشات کے اسیر بن جانے پر۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ محض اپنے فضل وکرم سے دین اسلام کا بول بالا کرےاور ہدایت کی فضاءعام سے عام تر کرے اور انسانیت کوانسانیت کی بندگی وغلامی سے نجات عطاءفرماکراپنی بندگی کی دولت وسعادت نصیب فرمائیں۔

مسلم ممالک کے متعین کردہ انسانی حقوق

اسلام میں انسان کے حقوق کا راستہ

الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ۔

حمد وصلاۃ کے بعد مؤتمر اسلامی کے نظام کی اراکین حکومتیں اللہ رب العالمین پر ایمان رکھتی ہیں جس نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا اور اسے عزت بخش کر زمین میں خلیفہ بنایا ہے اور زمین کی آبادکاری اور اصلاح اس کے سپرد کی ہے اور انہی ذمہ داریوں کی امانت کا بار اس پر رکھا ہے کیونکہ یہ بہترین مخلوق ہے اور اس کی انسانیت کو عزت دینے کے لئے ایسا کیا ہے زمین وآسمان کی تمام چیزیں اس کے کام میں لگادی ہیں۔ اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتی ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہدایت، رحمت اور دین حق اس لئے دے کر بھیجا تاکہ انسان کو ظلم، زیادتی اور ناجائز استعمال سے آزاد کریں اور تمام انسانوں میں برابری کو ثابت کریں۔ کسی کو کسی پر سوائے تقوی کے کوئی فضیلت وبرتری نہ ہو اور ذات، رنگ اور طبقوں کے فاصلوں اور فرقوں کو ختم کریں اور ہر اس چیز کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالیں جو لوگوں کے درمیان تفریق، دشمنی اور ناپسندیدگی کا بیج بوتی ہے جنہیں اللہ نے ایک انسان سے پیدا کیا ہے۔

اور خالص توحید کے عقیدہ کو بنیاد بناتے ہوئے جس پر اسلام کی عمارت قائم ہے اور جو ساری بشریت کو یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالی کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ تعالی کے علاوہ کوئی کسی کو رب نہ بنائے جو انسانی بندگی کے خاتمہ اور بشر کی آزادی کو مضبوط کرنے کا سبب اور ان کی عزت کا ضامن ہے۔ اور امت اسلامیہ کے کردار کو پختہ کرنے اور اس کی تاریخ کو جدت دینے اور اس بات کو مضبوط کرنے کے لئے کہ یہ درمیانی امت ہے جو اسے متوازن عالم کی طرف دعوت دیتی ہے جس میں زمین آسمان سے، دنیا آخرت سے اور علم ایمان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ثقافت کی الجھنوں کی فکر میں حصہ ڈالتے ہوئے ان کے لئے کامیاب حل پیش کرنا جو اسلامی شریعت کے اصولوں سے ماخوذ ہو۔ اور کئی انسانی کوششوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا جو موجودہ ادوار میں انسانی

حقوق کی حفاظت میں کی گئی ہیں خصوصا وہ جو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اعلان اور معاہدات کے ذریعے نافذ کی ہیں۔ جن کا ہدف انسان کی حفاظت اس کی مکمل آزادی اور اس کے حقوق کی ضمانت ہے۔اور ہمارا یہ یقین ہے کہ انسانیت مادی علم (سائنس) کے جتنے بھی مدارج طے کرلے پھر بھی اسے اپنی تہذیب وثقافت کے لئے ایسے ایمانی سہارے کی ضرورت جو ذاتی محافظ اور ضمیر کی بیداری کو فروغ دے۔ جس کا اظہار ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔

ا۔بنیادی حقوق:

پہلا آرٹیکل:

الف... تمام علاقوں کے انسان ایک خاندان،ایک جان سے پیدا کردہ،انسانی عزت وعظمت اور ذمداری کی اصل میں یکساں ہیں ان میں اللہ کے نزدیک وہ زیادہ عزت مند ہے جو ان میں سے زیادہ پرہیز گار اور اس کے بندوں کے لئے فائدہ مند ہو۔

ب...ذات پات، زبان، علاقہ، قوم، عقیدہ، سیاسی تعلق یا معاشرتی ڈھنگ کے مختلف ہونے کی وجہ سے لوگوں میں کوئی فرق نہیں۔

دوسرا آرٹیکل:

انسان پیدائشی طور پر آزاد ہے اللہ تعالی کے سوا کسی کی بندگی وغلامی نہیں، کسی مخلوق کو یہ اختیار نہیں کہ اسے غلام بنائے یا ذلیل کرے یا ناجائز فائدہ اٹھائے۔

تیسرا آرٹیکل:

الف.... زندہ رہنے کا حق ہر انسان کو شریعت کی طرف سے ملا ہوا ہے افراد، معاشروں اور حکومت کی ذمداری ہے کہ وہ ہر زیادتی سے اس حق کو محفوظ رکھیں۔

ب...ہر اس طریقہ کا سہارہ لینا حرام ہے جو کلی یا جزئی طور پر نوع انسانی کو فنا کرنے کا سبب ہو۔

ج...بشری زندگی کو جاری رکھنا اسلام کا ایک اصول ہے شادی کا مقابلہ کرکے اسے بے کار کرنا جائز نہیں اور یا اولاد کی روک تھام (Birth control) کے ذریعہ اس میں کمی کرنا جائز نہیں۔اور نہ بغیر شرعی ضرورت کے حمل ساقط کرنا (Miscarriage) جائز ہے۔

د.... ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اور اس کے اہل و عیال محفوظ ہو کر زندگی گزاریں اس کی معاشرتی ساکھ محفوظ ہو اور اس کا مال ہر قسم کے خوف و خطر سے آزاد ہو۔

چوتھا آرٹیکل:

الف.... مذہب اختیار کرنا ہر انسان کا حق ہے دین کے معاملہ میں سختی نہیں۔ لہذا اس سے محروم کرنا یا کسی بھی دباؤ کے ذریعے دست برداری کرنا جائز نہیں۔

ب.... مسلمان پر۔ جب کہ اللہ تعالی نے اسے اسلام کی راہ دکھائی، اس کا اللہ تعالی کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان ہے۔ لازم ہے کہ وہ اس پر ثابت قدم رہے۔

۲۔ سیاسی حقوق:

پانچواں آرٹیکل:

الف. رائے دہی کی آزادی..... جائز وسائل کے ذریعے محفوظ ہے ہر انسان کو اخلاقی قدروں اور شریعت کے اصولوں کی حدود کی اندر رہتے ہوئے اس کے استعمال کا حق حاصل ہے۔

ب... ہر انسان کو حکمت کے ساتھ بھلائی دعوت دینے، نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کا حق ہے۔ اس حق کے استعمال میں اچھے اور بہترین معاشرہ کے لئے اس حق کا دفاع کرنے میں دوسرے افراد اور جماعتوں کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے۔

چھٹا آرٹیکل:

ہر انسان کو مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہیں۔

الف... اپنے حکام کے چناؤ و انتخاب میں، ان کے احتساب و نگرانی کرنے میں اور انہیں ان نظاموں کے موافق قائم رکھنے میں شرکت کرنا جو شریعت کے تقاضا کے ساتھ مقرر ہیں۔

ب.... وہ اپنے علاقوں کے عمومی معاملات کا انتظام کرنے میں شریک ہو سکتا ہے خواہ[۶] ملا یا بغیر عمل کے۔

ج... وہ شرعی قوانین کے موافق عمومی نوکر یا کر سکتے ہیں۔

حقوق الاسرۃ:

ساتواں آرٹیکل:

الف۔۔۔خاندان مسلم معاشرے کا ستون ہے،اور شادی اس (خاندان) کی بنیاد ہے، جو مردوں اور عورتوں پر لازم واجب ہے۔اسلام اس کے کرنے کی ترغیب دیتا ہے،اس سے فائدہ میں کوئی ذات ،رنگ اور قومیت کی پابندی آڑے نہیں آسکتی ہاں !کوئی ضرورت ہو جس کا شرعی احکام تقاضا کرتے ہیں۔

ب۔۔۔حکومت اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ شادی کے بندھن میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کریں،اور اس کے اسباب کو آسان بنائیں۔

ج۔۔۔شادی کے عقد میں باہمی رضامندی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے،اور اسے آخر تک پہنچانا احکام شریعت کے مطابق ہی ہو سکتا۔

آٹھواں آرٹیکل:

الف۔۔۔عورت مرد کے ساتھ پیدا ہوئی ہے،اور انسان ہونے میں اس کے مساوی ہے، جیسی اس کی ذمہ داریاں ہیں ویسے اس کے حقوق بھی ہیں۔

ب۔۔۔مرد خاندان نگران اور اس کا ذمہ دار ہے،اور عورت کی اس شہری شخصیت اور اس کا مستقل مالی ذمہ ہے،اس کا حاص نام ونسب ہوتا ہے۔

نواں آرٹیکل:

الف۔۔۔ہر بچہ کا ولادت کے وقت سے اپنے والدین،اپنے معاشرے اور اپنی پرورش وتربیت مادی اور ادبی حفاظت کا حق ہے۔

ب۔۔۔معاشرہ اور حکومت ماں کی حفاظت اور خصوصی حفاظت کے ساتھ اس کی دیکھ بھال کی ذمہ دار ہے۔

ج۔۔۔باپ کے حق میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے بچہ کے لئے ایسی مناسب تربیت کا انتخاب کرے جو اخلاقی اور اسلامی اقدار کی روشنی میں ہو۔

۴۔نسبت وقومیت کا حق: دسواں آرٹیکل۔۔۔انسان کا اپنے والد اور قوم کی طرف نسبت کرنے کا ایسا حق ہے جس کا نہ انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ ساقط کیا جاسکتا ہے۔

گیارہواں آرٹیکل:

۔۔۔انسان کا اپنے علاقہ کی قومیت سے اٹھانے کا حق محفوظ ہے اسے زبردستی اس سے محروم کرنا جائز نہیں ہے۔

۵: تعلیم وتربیت کے حقوق:

بارہواں آرٹیکل:

الف۔ علم کی طلب ہر انسان کا فرض ہے۔

ب۔۔۔ تعلیم دنیا معاشرے اور حکومت پر لازم ہے، اور انہی دونوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے طریقوں اور وسائل کو پرامن بنائیں، اور اس کی اس قسموں کی ضمانت لیں جس سے جماعت کی مصلحت ثابت ہوتی ہو، اور انسان کے لئے اللہ تعالی کے دین کی معرفت فراہم کرے، کائنات کے حقائق سمجھائے، بشریت وغیرہ کی بہتری کے لئے قدر کی وسائل کی تسخیر (کام میں لانے کا طریقہ) مہیا کرے۔ یہ اپنے ابتدائی مراحل میں کم از کم لازمی ہے۔

تیرہواں آرٹیکل:

تربیت اور رہنمائی کے مختلف اداروں جن میں خاندان، مدرسہ یونورسٹی ذرائع ابلاغ وغیرہ شامل ہیں، ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ انسان کو دینی دنیوی بھرپور تربیت کریں، جو ایسی متوازن ہو کہ اللہ پر اس کے ایمان کو مضبوط کرے، اس کی شخصیت کو پروان چڑھائے، اور اس کے حقوق کا احترام کرے اور اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں مدد دے۔

۶: کام کے حقوق اور اجتماعی (معاشرتی) ضمانت

چودہواں آرٹیکل:

الف۔۔۔ کام ایسا حق ہے جس کی کفالت حکومت اور معاشرہ پر اس شخص کے لئے کرتی ہے جس میں اس کی سکت طاقت ہو، انسان کو ایسے جائز کام کے انتخاب کرنے میں آزادی ہے جو اس کے مناسب اور شایان شان ہو۔

ب۔۔۔ کام کرنے والے کو اپنے کام کو مہارت ومضبوطی اور اخلاص سے کرنا ضروری ہے، اس کے لئے کام کے مقابلہ میں اتنا معاوضہ جو اس کے لئے کافی ہو اس کا حق ہے، نیز وہ تمام ضمانتیں جو امن وسلامتی سے تعلق رکھتی ہیں ان میں اس کا حق ہے۔

ج۔۔۔جب گاریگروں اور کام والوں کا اختلاف ہو جائے، تو ان کا حکومت اور عدالت پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ ظلم ختم کرنے اور حق کو ثابت کرنے کے لئے بغیر تمیز کے دخل دے۔

پندرہواں آرٹیکل:

ہر انسان کا اس کے معاشرے اور حکومت پر معاشرتی ضمانت کا حق اپنی مختلف قسموں کے ساتھ ہے۔ جس کے ذریعہ وہ غذا، لباس، علاج اور تعلیم کے لحاظ سے اچھی زندگی گزار سکے۔

۷۔ کمائی کرنے، فائدہ اٹھانے اور ادبی ملکیت کے حقوق۔۔۔ سولہواں آرٹیکل

ہر انسان کو جائز کمائی کرنے کا حق حاصل ہے بشرط یہ کہ وہ ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ نہ کرے، اور کسی فرد یا جماعت کو نقصان نہ پہنچائے۔

سترہواں آرٹیکل :

الف۔۔۔ ہر انسان کا حق ہے کہ وہ نظریاتی اور عملی علم کے میدانوں میں انسانی پیداوار کے ثمرات سے فائدہ اٹھائے۔

ب۔۔۔اور ہر شخص کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے علمی، ادبی اور فنی کام کی محنت سے فائدہ حاصل کرے بشرط یہ کہ اس محنت سے شخصیت اور اخلاقی قدروں کے منافی کوئی چیز سامنے نہ آئے۔

ج۔۔۔ حکومت پر ان حقوق کی حفاظت لازم ہے۔

۸۔ فیصلہ کرانے کے حقوق:

اٹھارہواں آرٹیکل:

الف۔۔۔عدلت کا سہارا لینے کا حق سب کے لئے محفوظ ہے۔

ب۔ شریعت کی نظر میں سب یکساں ہیں اس میں حاکم و محکوم برابر ہیں۔

انیسواں آرٹیکل:

انسان میں اصل بری ہونا ہے، اور جس پر الزام ہے وہ اس وقت تک بری ہے جب تک فیصلہ کرنے والے محکمہ سے اس کی دیانت ثابت نہ ہو جائے، اس میں اسے دفاع کی پھر پور ضمانتیں حاصل ہوں گی۔ شبہ اس کی بہتری کو واضح کر دے گا۔

بیسواں آرٹیکل :

الف ۔۔۔انسا ن کی اپنے افعال کے بارے میں ان کی امتیازی اساس وبنیاد میں ،ذمہ داری وضاحت کے بغیر نہ کوئی جرم ہےاور نہ سزا۔

ب۔۔۔بغیر شرعی وجہ کے کسی انسان کو گرفتار کرنا یااس کی آزادی سلب کرنا یااسے جلاوطن کرنا یااسے جانی یابدنی گزند پہنچانا یا کوئی ایسا معاملہ کرنا جوانسانی عزت وشرافت کے منافی ہو یااس حربہ اور طریقہ جواسے جائز قرار دے وہ معاملہ کرنا جوانسانی حق کو رائیگاں کرنے والااور شریعت ایسی کے منافی شمار کیا جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصّواب۔

مفتی عبیدالرحمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔

مفتی دارالافتاء جامعہ محمدیہ،مایار مردان۔

۸ محرم ۱۴۴۳ھ